

# دعوتِ اسلامی کی کامیابی کا راستہ

تربیت گاہِ جماعتِ اسلامی میں سوال و جواب کی ایک محفل

(۲)

## فارغ کارکنوں کی اُلجھن

سوال :- ”شتریکِ اسلامی کے فارغ کارکن بالعموم اس اُلجھن کو محسوس کرتے ہیں کہ ان کے روزمرہ کے کام کا نتیجہ محسوس طور پر یا اعداد و شمار میں واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دن بھر میں ایک ہی ملاقات ہوتی ہے یا سفر کر کے دُور دیہات میں جانے کے بعد مجوزہ پردگام نہیں بنتا یا آدمی نہیں ملتا۔ شتریک کے رفتار توقع رکھتے ہیں کہ جب ایک کارکن فارغ کر دیا گیا ہے تو کام کا نتیجہ محسوس طور پر اعداد و شمار میں آنا چاہیے۔ اس اُلجھن کا علاج کیا ہے؟“

جواب :- اس اُلجھن کے دو پہلو ہیں اور دونوں پہلوؤں کا علاج ہونا چاہیے۔ ایک پہلو تو ہے اُس شخص کی اُلجھن کا جو فارغ کارکن ہے، اور ایک پہلو ہے اُن لوگوں کی اُلجھن کا جو اس کارکن کو شتریک کا کام کرنے کے لیے فارغ کرتے ہیں، اُس کی کفالت کے لیے مال فراہم کرتے ہیں، اور اس کے بعد یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کام کر رہا ہے یا نہیں، اور اگر کر رہا ہے تو کس طرح کر رہا ہے۔

جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے سب سے پہلے ہر فارغ کارکن کو خود اپنا بے لاگ محاسبہ کر کے دیکھنا چاہیے کہ جب میں اسلام کے کام کے لیے فارغ کیا گیا ہوں اور میری ضروریات کا بوجھ جماعت نے اپنے ذمے لے لیا ہے تو کیا میں اس کا حق ادا کر رہا ہوں؟ یہ محاسبہ اُسے عند اللہ اپنی جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ اگر اس کا اپنا ضمیر یہ محسوس کرے کہ ادائے حق میں وہ کوتاہی کر رہا ہے تو اسے خود اپنی اصلاح کرنی چاہیے، خواہ جماعت اس کا محاسبہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ کوئی اور جملے یا نہ جانے، وہ خدا

تو اُس کی کوتاہی کو جانتا ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جماعت کو وہ بڑے معقول دلائل دے کر مطمئن کر سکتا ہے، مگر خدا کو تو کسی طرح دھوکا نہیں دے سکتا۔ اُسے اس سارے معاملہ پر اس لحاظ سے سوچنا چاہیے کہ اُس وقت وہ کیا جواب دے گا جب اس سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کے بندے، تیرے لیے ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کا انتظام بھی کر دیا گیا اور ہمارے کام کے لیے تجھے فکرِ معاش سے بھی فارغ کر دیا گیا، پھر بھی تو نے اس کام میں جان نہ لوائی! اس طرح اپنا محاسبہ کر کے ہر فارغ کارکن اپنی الجھن کو خود دُور کر سکتا ہے۔

رہی اُن لوگوں کی الجھن جو اسے فارغ کرتے ہیں، تو اُن کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ کوئی معمار کا کام تو ہے نہیں کہ روزِ آپ آکر گن لیں کہ آج کتنی اینٹیں رکھی گئیں۔ اس حساب سے اگر آپ نے دیکھنا شروع کیا تو ظاہر بات ہے کہ کوئی فارغ کارکن بھی، امیرِ جماعت سمیت، اس قابل نہیں رہے گا کہ اپنے کام سے آپ کو مطمئن کر سکے۔ آپ کو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ فارغ کارکن اپنا وقت اور اپنی محنت فرض شناسی اور دل کی لگن کے ساتھ اُسی کام میں صرف کر رہے ہیں یا نہیں جس کے لیے اُسے فارغ کیا گیا ہے؟ وہ فضول کاموں میں تو اپنا وقت ضائع نہیں کر رہے؟ وہ جماعت سے معاوضہ لے کر اپنے ذاتی مقاصد کے لیے دوڑ دھوپ کرنے میں تو لگا نہیں رہتا؟ ایسی کوئی شکایت اُس سے نہ ہو تو آپ اس لحاظ سے اس کے کام کو نہ جانچیں کہ اس کی کوششوں سے نتائج کس قدر برآمد ہوئے ہیں۔ یہ کام تو ایسا ہے کہ بسا اوقات ہفتوں اور مہینوں ہی نہیں، برسوں ایک شخص اپنی جان کھپاتا رہتا ہے اور پھر بھی ایسے نتائج برآمد نہیں ہوتے جنہیں ناپ کر اور تول کر دیکھا جاسکے۔ دعوت ہزارہ آدمیوں تک پہنچائی جاتی ہے مگر صرف چند آدمی اسے قبول کرتے ہیں، اور اُن کے بارے میں بھی یہ ضمانت کسی کے پاس نہیں ہوتی کہ وہ کتنے مخلص ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء کو بھی ان کی مساعی کے نتائج اور ماحصل کے لحاظ سے نہیں جانچا ہے، بلکہ صرف اس لحاظ سے جانچا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض کما حقہ ادا کر دیا ہے یا نہیں۔ نتائج کے لحاظ سے جانچا جاتا تو معاذ اللہ وہ انبیاء تک ناکام قرار پاتے جن کی کوششوں سے کوئی ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ حضرت کوٹھہی کی مثال دیکھ لیں جن کے منعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ ہم نے وہاں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ اور یہ گھر خود حضرت کوٹھہی کا تھا جس میں اُن کی بیوی تک عذاب کی مستحق پائی گئی۔

جماعت پر جمود کیوں طاری ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

سوال :- ایک طرف تحریکِ اسلامی پورے عالم میں تیزی کے ساتھ متعارف ہو رہی ہے حتیٰ کہ کیونسٹ

ممالک میں بھی اس کی گونج سنائی دے رہی ہے، دوسری طرف پاکستان میں یہ بات بہت بُری طرح کھٹکتی ہے کہ یہاں جماعت کے لوگوں اور خصوصاً ارکان کے اندر جمود کی کیفیت طاری ہے اور اکثر حضرات کی کیفیت بالکل ویسی ہو چکی ہے جیسی نسلی مسلمان کی ہے۔ یہ بات تحریک کے مستقبل کے بارے میں کسی لحاظ سے حوصلہ افزا نہیں ہے۔ اس رجحان کو بروقت روکنے کی کوشش نہ کی گئی تو خدا نخواستہ آج تک کی تمام کوششوں پر پانی پھر جانے کا خطرہ ہے۔ آپ کے ذہن تک اس کیفیت کے طاری ہونے کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں اور اس کے مداوا کے لیے کونسی تدبیر مؤثر ہو سکتی ہے؟

جواب :- اس سوال میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں جو باہم متناقض ہیں۔ ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ تحریکِ اسلامی پورے عالم میں تیزی کے ساتھ متعارف ہو رہی ہے، اور دوسری بات یہ کہ پاکستان میں جماعت پر جمود طاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہاں جمود طاری ہے تو سارے عالم میں تحریکِ اسلامی تیزی کے ساتھ کیسے پھیل ہی ہے اور کون پھیلا رہا ہے۔ میں آغاز ہی میں اس تناقض کی طرف اس لیے توجہ نہیں دلا رہا ہوں کہ آپ کو کسی غلط قسم کی خود اعتمادی میں مبتلا کروں، بلکہ میرا مدعا آپ لوگوں کو صرف یہ احساس دلانا ہے کہ اپنے کام کا جائزہ لیتے وقت مثبت پہلو میں مبالغہ سے کام لینا چاہیے اور نہ منفی پہلو میں۔ بسا اوقات آدمی خود جلد ہوتا ہے اور اپنا جمود اسے ساری جماعت میں نظر آنے لگتا ہے۔ بسا اوقات آدمی بہت زیادہ پُرحوش ہوتا ہے اور جماعت کو جب وہ اپنی توقعات اور تناؤں کے مطابق تیز رفتار نہیں پانا تو کہتا ہے کہ اس پر جمود طاری ہے۔ بسا اوقات ایک شخص اپنے ذہن میں کام کا کوئی خاص نقشہ یا تصور رکھتا ہے اور جب جماعت اُس نقشے یا تصور پر کام کرتی نظر نہیں آتی تو وہ خیال کرتا ہے کہ جماعت کوئی کام نہیں کر رہی ہے۔

اس طرح کے مبالغوں سے بچتے ہوئے جماعت کے ہر فرد کو بھی اور پوری جماعت کو بھی بے لاگ جائزہ لینا چاہیے کہ کیا فی الواقع وہ جمود میں مبتلا ہے؟ اور اگر ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کے لوگ اُس عہد ہی کو فراموش کر گئے ہوں جو جماعت میں داخل ہوتے وقت انہوں نے اپنے خدا سے کیا تھا۔ یہ سبب اگر خدا نخواستہ واقعی موجود ہے تو ہم سب کو اور ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ اپنے رب کے ساتھ یہ عہد ہم نے کسی مجبوری سے کیا تھا یا برضا و رغبت؟ بے سوچے سمجھے کیا تھا یا خوب سوچ سمجھ کر پورے شعور کے ساتھ؟ کسی دنیوی غرض کے لیے کیا تھا یا اپنے ایمان کا تقاضا سمجھ کر خالص

اللہ کی رضا کے لیے؟ میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہوگا جس نے برضا و رغبت، پورے شعور کے ساتھ اور محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے ایمان کا تقاضا سمجھ کر یہ عہد نہ کیا ہو۔ پھر جب واقف یہ ہے تو اس راہ میں جمود کیسا؟ کیا ہمارے ایمان کے تقاضے اب بدل گئے ہیں؟ کیا اللہ کی رضا ہمیں اب مطلوب نہیں رہی؟ یا ہماری رائے اب یہ نہیں رہی کہ اللہ کی زمین پر اس کے دین کو قائم کرنا ہمارا مقصد ہے؟ ان سوالات کو اپنے ذہن میں رکھ کر ہم میں سے ہر شخص اگر روزانہ ایک مرتبہ بھی اپنے نفس کا جائزہ لیتا رہے تو جمود تو درکنار اس کا تصور اور اس کا اندیشہ تک باقی نہ رہے گا۔

جمود کا دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کو درست رکھنے کے لیے ابتدا سے محاسبہ و تنقید اور اصلاح و تطہیر کا جو طریقہ رکھا گیا تھا اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس طریقے کو مقرر کرنے کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ جماعت میں جہاں بھی کوئی خرابی پیدا ہو رہی ہو اس کا بوقت ٹوٹس لیا جائے اور اسے رفع کیے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ جو شخص بھی سست پڑ رہا ہو یا غلط روش پر چل پڑا ہو، بلا تاخیر اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اور اصلاح نہ ہو سکے تو اسے رخصت کر دیا جائے۔ اگر یہ کام برابر ہوتا رہے تو جماعت میں ہمیشہ تطہیر کا عمل جاری رہے گا اور اس کے اندر غلط قسم کے آدمی نہ رہتے پائیں گے۔ غلط قسم کے آدمیوں کا جماعت میں موجود ہونا بہ صورت نقصان ہے۔ وہ اگر فعال نہ بھی ہوں تو ان کی چھوت رفتہ رفتہ دوسروں کو لگتی چلی جاتی ہے۔ اور اگر غلط ہونے کے ساتھ فعال بھی ہوں تو ان کی ساری نگرہاں اس کام میں صرف ہوتی ہیں کہ جس بیماری میں خود مبتلا ہیں اسے ساری جماعت میں پھیلا دیں۔ اس طرح کے آدمی جہاں بھی موجود ہوں فوراً ان کا محاسبہ کیجیے۔ پھر یا تو وہ ٹھیک ہو جائیں گے، یا انہیں جماعت سے نکلنا پڑے گا۔ جماعت کو صحت مند رکھنے کے لیے یہ عمل جاری رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس میں آپ تساہل سے کام لیں گے تو آئے دن آپ کو پریشان کن مسائل سے سابقہ پیش آتا ہے گا۔

مشرقی پاکستان میں جماعتِ اسلامی کیوں عذابِ الہی میں مبتلا ہوئی؟

سوال :- ”قانونِ قدرت ہے کہ اصلاح کا کام کرنے والوں کو عذاب سے بچا لیا جاتا ہے مگر مشرقی پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا سب سے زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا ہے؟“

جواب :- اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والے کبھی زخمی نہیں ہوں گے کبھی شہید نہیں ہوں گے اور کبھی انہیں کسی قسم کی رک نہ اٹھانی پڑے گی۔ اگر ایسا وعدہ اللہ تعالیٰ کر چکا ہوتا تو اس کے دین کا کام کرنے کے لیے لاکھوں کروڑوں آدمی بڑے اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ

لیجیے کہ حق و باطل کی کشمکش میں اگر اہل حق کو جان و مال کا نقصان اٹھانا پڑے، یا وہ شکست کھا جائیں اور اہل باطل کو غلبہ نصیب ہو جائے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اہل حق پر عذابِ الہی نازل ہوا ہے۔ جماعتِ اسلامی کے جو لوگ مشرقی پاکستان میں تھے انہوں نے جب دیکھا کہ ان کا ملک صریحاً کفر کی گود میں جا رہا ہے تو انہوں نے اُسے روکنے کے لیے اپنی جائیں لڑا دیں، ہزاروں شہید ہوئے، ہزاروں زخمی ہوئے، کثیر تعداد گرفتار ہوئی جسے سخت اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، اور مالی مصائب سے تو کوئی بھی نہ بچا۔ اس کے باوجود وہ کفر کے غلبے کو نروک سکے۔ یہ اُن کے حق میں ہرگز عذابِ الہی نہیں ہے، بلکہ اُن کا اجرِ خدا کے اُن ثابت ہے۔ اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اُن کا عملِ خدا کے اُن ضائع نہیں ہوا، بلکہ اپنی محنتوں اور قربانیوں سے انہوں نے جو بیج بوئے ہیں وہ دنیا میں بھی ضائع نہیں ہوئے۔ وہ پھیل لارہے ہیں اور اگے جانے والوں کے پیچھے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ خدا کے فضل سے اس فضل کو کاٹنے اور مزید فضل ہونے میں لگے ہوئے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ وہاں لوگوں کی آنکھیں کھلنی شروع ہو گئیں اور بڑے بڑے پُرسوش بن گئے۔ دیشیوں کا جوش بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب وہ جماعت کے لوگوں سے مل کر صاف صاف یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ ہم دھوکا کھا گئے، اور صحیح بات وہی تھی جو آپ کہہ رہے تھے "جماعتِ اسلامی" اگر چہ وہاں باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ ایک سرکاری جماعت کے سوا دوسری سب جماعتیں خلاف قانون ہو چکی ہیں۔ لیکن جماعت کے لوگ موجود ہیں، اور وہ برابر اپنا فرض انجام دے جا رہے ہیں۔ آج وہاں کے لوگوں کا رجوع اُن کی طرف پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ تجربے نے اُن کو کھوٹے اور کھرے کا فرق اچھی طرح بتا دیا ہے۔

میں مشرقی پاکستان کے بارے میں یہ باتیں صرف آپ کے اطمینان کے لیے بیان نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اس سے بڑھ کر میرا مقصد عذابِ الہی کے اُس غلط تصور کو آپ کے ذہن سے مٹانا ہے جو اس سوال میں پایا جاتا ہے۔ خدا نخواستہ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ کفر کے مجرم کا خطرہ پاکستان کے اِس حصے کو بھی لاحق ہو جائے تو آپ اِس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ اصلاح کا کام کرنے والے تو عذابِ الہی سے بچا ہی لے جلتے ہیں، پھر جہاد کی کیا ضرورت؟ اور یہ غلط فہمی بھی آپ کو لاحق نہ ہو کہ اس سرزمین کو کفر کی گود میں جانے سے بچانے کے لیے اگر جماعتِ اسلامی کو اپنے مشرقی پاکستانی رفقاء کی طرح قربانیاں دینی پڑیں تو یہ تو یہ گویا خدا کے عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا۔ یہ دونوں باتیں سراسر غلط ہیں۔ اسلام کے گھر کو بچانے کے لیے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا ہوگا، اور یہ یقیناً جہادِ دنی سبیل اللہ ہوگا جس میں جان دینا شہادت ہے نہ کہ عذاب۔ اور یہیں خدا کے فضل سے

پورا اطمینان ہے کہ اگر اس راہ میں پوری جماعت بھی کٹ مرے تو خلا پرستی کے جو بیج یہاں بونے گئے ہیں وہ ہرگز ضائع نہ ہوں گے۔

### جماعت کے لیے سُختہ مرکز کیوں؟

سوال :- ”موجودہ حالات میں جماعت نے مرکز کی تعمیر میں بے تحاشا رقم خرچ کر کے اور کئی عمارات بنا کر دشمنوں کے طعنوں کا راستہ کھول دیا ہے۔ اگر یہی رقم دعوت و تحریک کے کام خرچ کرتے تو زیادہ بہتر تھا“

جواب :- اس معاملے میں دوسو تونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیجیے۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ مرکز بنائیں اور کچا پکتا بنا کر بیٹھ جائیں۔ اس صورت میں دو تین سال وہ چلے گا پھر بار بار اس کی مرمت کی ضرورت پیش آئے گی، اور ان مرمتوں کے اخراجات مستقل طور پر آپ کے بجٹ کا حصہ بنے رہیں گے۔ کبھی بارش کا طوفان آگیا اور آسمان کے ساخنہ آپ کی چھتیں بھی برسنے لگیں تو آپ کا کتب خانہ، آپ کے دفاتر کے کاغذات، اور آپ کے دوسرے سامان الگ برباد ہوں گے، اور مرمتوں کے غیر معمولی اخراجات آپ پر الگ آ پڑیں گے۔ البتہ اس کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ آپ اپنی عزت اور یکسی کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں نے اس وقت تعمیر کے لیے جو مدد سے دی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر پختہ عمارتیں بنا لیجیے تاکہ ستر اسی سال پھر تعمیرات کی ضرورت پیش نہ آئے اور مرمت کے مصارف بھی بہت کم ہوں۔ ہمارے نزدیک یہ دوسری بات زیادہ بہتر ہے۔ عمارتیں جو بنائی جا رہی ہیں وہ پختہ تو ضرور ہیں مگر انشاء اللہ بالکل سادہ ہوں گی۔ ان میں کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جسے آرائش و زیبائش اور شان و شوکت کے بے جا اظہار سے تعبیر کیا جاسکے۔

### اقامتِ دین کے لیے جمہوری طریقوں ہی پر اصرار کیوں؟

سوال :- ”موجودہ حالات میں، جب کہ جمہوریت کے نام پر تمام جمہوری اداروں کی مٹی پیدا کر دی گئی ہے، ہر قسم کی آزادی سبب کر لی گئی ہے، بنیادی حقوق کچل کر رکھ دیے گئے ہیں، جماعتِ اسلامی محض جمہوری طریقوں سے اسلامی نظام کیسے قائم کر سکے گی؟ کیا اس کے سوا اور کوئی طریقہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اختیار نہیں کیا جاسکتا؟“

جواب :- جن حالات کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے، ان کو دیکھ کر فی الواقع بکثرت لوگ اس المذبح میں

پڑ گئے ہیں کہ آیا جمہوری طریقوں سے یہاں کوئی تبدیلی لائی جاسکتی ہے یا نہیں، اور ایک اچھی خاصی تعداد یہ سمجھنے لگی ہے کہ ایسے حالات میں غیر جمہوری طریقے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ہمارے حکمرانوں کی بہت بڑی نادانی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اس طرح سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن ہم اس پوری صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اور اس کی پیدا کردہ تمام صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے بھی اپنی اس رائے پر قائم ہیں کہ اسلامی نظام، جسے برپا کرنے کے لیے ہم اٹھے ہیں، جمہوری طریقوں کے سوا کسی دوسری صورت سے برپا نہیں ہو سکتا، اور اگر کسی دوسرے طریقے سے برپا کیا بھی جاسکے تو وہ دہریا نہیں ہو سکتا۔

اس معاملے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے آپ جمہوری طریقوں کا مطلب واضح طور پر جان لیں غیر جمہوری طریقوں کے مقابلے میں جب جمہوری طریقوں کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نظامِ زندگی میں جو تبدیلی بھی لانا، اور ایک نظام کی جگہ جو نظام بھی قائم کرنا مطلوب ہو، اسے زورِ زبردستی سے لوگوں پر مسلط نہ کیا جائے، بلکہ عامۃً الناس کو سمجھا کر اور اچھی طرح مطمئن کر کے انہیں ہم خیال بنایا جائے اور ان کی تائید سے اپنا مطلوبہ نظام قائم کیا جائے۔ اس کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ عوام کو اپنا ہم خیال بنالینے کے بعد غلط نظام کو صحیح نظام سے بدلنے کے لیے ہر حال میں صرف انتخابات ہی پر اکتفا کر لیا جائے۔ انتخابات اگر ملک میں آزادانہ و منصفانہ ہوں اور ان کے ذریعے سے عام لوگوں کی رائے نظام کی تبدیلی کے لیے کافی ہو، تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں لیکن جہاں انتخابات کے راستے سے تبدیلی کا آنا غیر ممکن بنا دیا گیا ہو، وہاں جباروں کو ہٹانے کے لیے رائے عامہ کا دباؤ دوسرے طریقوں سے ڈالا جاسکتا ہے، اور ایسی حالت میں وہ طریقے پوری طرح کارگر بھی ہو سکتے ہیں جبکہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بھاری اکثریت اس بات پر تئیں جلتے کہ جباروں کا من مانا نظام ہرگز نہ چلنے دیا جائے گا اور اس کی جگہ وہ نظام قائم کر کے چھوڑا جائے گا جس کے صحیح و برحق ہونے پر لوگ مطمئن ہو چکے ہیں۔ نظامِ مطلوب کی مقبولیت جب اس مرحلے تک پہنچ جائے تو اس کے بعد غیر مقبول نظام کو عوامی دباؤ سے بدلنا قطعاً غیر جمہوری نہیں ہے، بلکہ ایسی حالت میں اس نظام کا قائم رہنا سراسر غیر جمہوری ہے۔

اس تشریح کے بعد آپ کے لیے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ رہے گا کہ ہم اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے جمہوری طریقوں پر اس قدر زور رکھیں دیتے ہیں۔ کوئی دوسرا نظام مثلاً کمیونزم لوگوں پر زبردستی ٹھونسنا جاسکتا ہے، بلکہ

اس کے قیام کا ذریعہ ہی جبر اور جباریت ہے، اور خود اس کے ائمہ علانیہ یہ کہتے ہیں کہ انقلاب بندوق کی گولی ہی سے آتا ہے۔ استعماری نظام اور سرمایہ داری نظام اور فسطائی نظام بھی رائے عام کی تائید کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ رائے عام کو طاقت سے کچل دینا اور اس کا کل گھونٹ دینا ہی ان کے قیام کا ذریعہ ہے۔ لیکن اسلام اس قسم کا نظام نہیں ہے۔ وہ پہلے لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کرنا ضروری سمجھتا ہے، کیونکہ ایمان کے بغیر لوگ خلوص کے ساتھ اُس کے بتائے ہوئے راستوں پر نہیں چل سکتے۔ پھر وہ اپنے اصولوں کا فہم اور اُن کے برحق ہونے پر اطمینان بھی عوام کے اندر ضروری حد تک، اور خواص (خصوصاً کار فرماؤں) میں کافی حد تک پیدا کرنا لازم سمجھتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر اُس کے اصول و احکام کی صحیح تنفیذ ممکن نہیں ہے۔ اس کے ساتھ وہ عوام و خواص کی ذہنیت، اندازِ فکر، اور سیرت و کردار میں بھی اپنے مزاج کے مطابق تبدیلی لانے کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ یہ نہ ہونو اس کے پاکیزہ اور بلند پایہ اصول و احکام اپنی صحیح رُوح کے ساتھ نافذ نہیں ہو سکتے۔ یہ جتنی چیزیں میں نے بیان کی ہیں، اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لیے سب کی سب ضروری ہیں، اور ان میں سے کوئی چیز بھی جبراً لوگوں کے دل و دماغ میں نہیں ٹھوسا جاسکتی، بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ناگزیر ہے کہ تبلیغ، تلقین اور تفہیم کے ذرائع اختیار کر کے لوگوں کے عقائد و افکار بدلے جائیں، ان کے سوچنے کے انداز بدلے جائیں، ان کی اقدار (VALUES) بدلی جائیں، ان کے اخلاق بدلے جائیں، اور ان کو اس حد تک اُبھار دیا جائے کہ وہ اپنے اُد پر جاہلیت کے کسی نظام کا تسلط برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جمہوری طریقوں کے سوا اُس کے حصول کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام کو عملاً برپا کر دینے کے لیے کوئی اقدام اُس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک اس مقصد کے لیے کام کرنے والوں کو اس نوعیت کی عوامی تائید حاصل نہ ہو جائے۔

شاید آپ میری یہ باتیں سن کر سوچنے لگیں گے کہ اس لحاظ سے تو گویا ابھی ہم اپنی منزل کے قریب ہونا درکنار، اس کی راہ کے صرف ابتدائی مرحلوں میں ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے آج تک کے کام کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں۔ جمہوری طریقوں سے کام کرتے ہوئے آپ پچھلے ۳۴ سال میں تعلیم یافتہ طبقے کی بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں، اور یہ لوگ ہر شعبہ زندگی میں موجود ہیں۔ نئی نسل جو اب تعلیم پا کر اُٹھ رہی ہے، اور جسے آگے چل کر ہر شعبہ زندگی کو چلانا ہے،



وہ مجھی جاہلیت کے علمبرداروں کی ساری کوششوں کے باوجود زیادہ تر آپ کی ہم خیالی ہے۔ اب آپ کے سامنے ایک کام تو یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقے میں اپنے ہم خیالوں کی تعداد اسی طرح بڑھاتے چلے جائیں، اور دوسرا کام یہ ہے کہ عوام کے اندر بھی نفوذ کر کے ان کو اسلامی نظام پر پا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار کرنے کی کوشش کریں۔ پہلے کام کے لیے لٹریچر کا پھیلاؤ آج تک جتنا مفید ثابت ہوا ہے اس سے بدرجہا زیادہ آئندہ مفید ثابت ہو سکتا ہے، اگر آپ اپنے ہم خیال اہل علم کے حلقے منظم کر کے مختلف علوم کے ماہرین سے مسائلِ حیات پر تازہ ترین اور محققانہ لٹریچر تیار کرنے کا انتظام کریں۔ اور دوسرے کام کے لیے تبلیغ و تلقین کے دائرے وسیع کرنے کے ساتھ اصلاحِ خلق اور خدمتِ خلق کی ہر ممکن کوشش کیجیے۔ آپ صبر کے ساتھ لگنا اس راہ میں جتنی محنت کرنے چلے جائیں گے اتنی ہی آپ کی منزل قریب آتی چلی جائے گی۔

۲۔ یہ سوال کہ جب تمام جمہوری اداروں کی مٹی پیدا کر دی گئی ہے، شہری آزادیاں سدب کر لی گئی ہیں اور بنیادی حقوق کچل کر رکھ دیے گئے ہیں، تو جمہوری طریقوں سے کام کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا کام کرنے کے لیے کھلی ہوا رشاہراہ تو کبھی نہیں ملی ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوا جبر و ظلم کے مقابلے میں ہر طرح کی گڑبائیں بھجیل کر ہی ہوا، اور وہ لوگ کبھی یہ کام نہ کر سکے جو یہ سوچتے رہے کہ جاہلیت کے علمبرداروں کی اجازت، یا ان کی عطا کردہ سہولت ملے تو وہ راہِ خدا میں پیش قدمی کریں۔ آپ جن برگزیدہ ہستیوں کے نقشِ پاکی پیروی کر رہے ہیں، انہوں نے اُس ماحول میں یہ کام کیا تھا جہاں جننگِ کافرانہ نافذ تھا اور کسی شہری آزادی یا بنیادی حق کا تصور تک موجود نہ تھا۔ اس وقت ایک طرف دل موہ لینے والے پاکیزہ اخلاق، دماغوں کو مسخر کر لینے والے معقول دلائل، اور انسانی فطرت کو اپیل کرنے والے اصول اپنا کام کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف جاہلیت کے پاس ان کے جواب میں پختہ تھے، گالیاں پھینکیں، جھوٹے بہتان تھے اور کلمہ حق کہتے ہی انسانوں کی شکل میں درندے خدا کے ہر بندے پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہی چیز درحقیقت اسلام کی فتح اور جاہلیت کی شکست کا ذریعہ بنی۔ جب ایک معقول اور دل لگتی بات کو عمدہ اخلاق کے لوگ لے کر کھڑے ہوں، اور سخت سے سخت نظامِ استعماریت کے باوجود اپنی بات ہر حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں، تو لازمی طور پر اس کے تین نتائج رونما ہوتے ہیں۔ ایک نتیجہ یہ کہ اس صورتِ حال میں بہت زیادہ باہمت اور اولوالعزم لوگ ہی اس دعوت کو علانیہ قبول کرتے ہیں اور وہ اس کے لیے ایسا قیمتی سرمایہ ثابت ہوتے ہیں جو کسی دوسری صورت میں ہم نہیں پہنچ

سکتا۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ ظالموں کی پیدا کردہ اس خوفناک فضا میں کبشرت، بلکہ بے اندازہ لوگ اس دعوت کو دل میں مان لیتے ہیں مگر آگے بڑھ کر اس میں شامل نہیں ہوتے۔ مخالف طاقت آخر کار اس کا خود نقصان اٹھاتی ہے۔ اسے قطعی اور حتمی شکست ہونے تک کبھی یہ پتہ ہی نہیں چلنے پانا کہ جس دعوت کو مٹا دینے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے اس کے حامی کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ اُس کی اپنی صفوں تک میں موجود ہوتے ہیں اور وہ اُن سے بے خبر رہتی ہے۔ تیسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برتری اور دعوت کی معقولیت و صداقت اپنی فطری طاقت سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے دشمن اُس کے پیروں پر جتنا زیادہ ظلم کرتے ہیں اُتنے ہی وہ ہر شریف النفس اور نیک طبع انسان کی نظر سے گرتے جاتے ہیں، اُس کے پیرو جتنی ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی حق پرستی سے بال برابر مجھ نہیں ہٹتے، اُتنی ہی ان کی قدر و منزلت عام دیکھنے والوں ہی میں نہیں، بلکہ خود دشمنوں کی صفوں میں بھی بڑھتی چلی جاتی ہے، اور جہر جب فیصلہ کن مقابلوں کا وقت آتا ہے تو قدم قدم پر اُن لوگوں کی ہمدردیاں طرح طرح سے کام آتی ہیں جو دشمنوں کے جبر کی وجہ سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے مگر دل سے اس دعوت کے حامی تھے، یہاں تک کہ آخر کار چند مٹھی بھر مٹ دھرم دشمن ہی میدان میں رہ جاتے ہیں جن کا ساتھ دینے والا تو درکنار، ان کے پیچھے لڑنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ ظلم و جور کا ماحول جہاں بھی ہو اس کے مقابلے میں حق پرست کا علم بلند کرنے اور بلند رکھنے سے یہ تینوں نتائج لازماً رونما ہوں گے، اس لیے یہ تو حق کی کامیابی کا فطری راستہ ہے، آپ اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے جمہوری اداروں کی مٹی پلید ہونے اور شہری آزادیاں سلب ہو جانے اور بنیادی حقوق کچل دیے جانے کا رونا خواہ مخواہ روتے ہیں۔